مثنوی کی بعض درس آموز حکایات

مولانا شاہ محمد اختر

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ اپنی صدی کے بہت بڑے آدمی گذرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی معرفت کا بڑا حصہ عطا فرمایا تھا۔ ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے۔ محمد خوارزم شاہ کے حقیقی نواسے تھے۔ چھ سال کی عمر میں جب آپ کے والد آپ کو حضرت بابا فرید الدین عطارؒ کی خدمت میں لے گئے تو حضرت خواجہ عطارؒ نے اپنی مثنوی اسرار نامہ آپ کو تبرکاً ہدیہ دی اور آپ کے والد صاحب سے فرمایا کہ یہ لڑکا ایک دن غلغلہ بلند کرے گا۔

چند سال بعد مولانا تکمیل علوم کے لئے شام تشریف لے گئے، اور دمشق میں سات سال تک تحصیل علوم وفنون کرتے رہے۔ تمام مذاہب سے واقف تھے۔ علم کلام، علم فقہ اور اخلاقیات میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ فلسفہ وحکمت وتصوف میں اس وقت ان کی نظیر نہ تھی۔ تحصیل علوم کے بعد مولانا روم درس و تدریس میں مشغول ہوگئے لیکن مولانا کو درس عشق و معرفت کے لئے پیدا کیا گیا تھا ان کے قلب میں آتش عشق ودیعت فرمائی گئی تھی اور عاشقوں کا درس ذکر محبوب اور ان کا مدرس حسن دوست ہوتا ہے اسی لئے ان کے درس پر ہر ایک کو غور کرنا چاہئے۔

درس شان آشوب و چرخ و زلزلہ　　　نی زیادات است و باب و سلسلہ
(رومیؒ)

یعنی عاشقوں کا درس محبوب حقیقی کی یاد میں گریہ و زاری اور وجد و رقص ہے، نہ کہ زیادات و باب وسلسلہ (کتب معقولات) کا پڑھانا ہے۔

آن طرف گو عشق می افزود درد　　　بو حنیفہ و شافعی درسے نکرد
(رومیؒ)

یعنی فقہ شریعت مقدسہ کے لئے جس طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ وحضرت امام شافعیؒ پیدا کئے گئے، اسی طرح فقہ طریق عشق کے لئے حق تعالیٰ نے مولانا روم کو پیدا فرمایا۔ ع

عاشقاں را شد مدرس حسن دوست (رومیؒ)

یعنی عاشقوں کے لئے محبوب کا حسن ہی مدرس ہوتا ہے یعنی درس و مطالعہ کے بغیر ہی کتب غیب سے علوم القاء ہوتے ہیں:

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا
(رومیؒ)

یعنی اگر حق تعالیٰ کے ساتھ قلب میں صحیح رابطہ نصیب ہو جاوے تو بدون کتاب اور استاد کے علوم نبوت کا فیضان قلب میں موجزن دیکھو گے:

خم کہ از دریا در و راہے بود پیش او جیحونہا زانو زند
(رومیؒ)

یعنی اگر مٹکے کو سمندر سے رابطہ نصیب ہوجائے تو اس کے سامنے جیحون جیسے بہت سے دریا زانوئے ادب طے کریں گے، کیونکہ دریائے جیحون تو خشک ہوسکتا ہے لیکن یہ چھوٹا سا مٹکا جس کا رابطہ سمندر سے قائم ہوگیا ہے باوجود اپنی افاضیت و افادیت مستمرہ کے، کبھی خشک نہ ہوگا۔ اسی طرح وہ عارف باللہ جس کے قلب کو حق تعالیٰ سے صحیح تعلق نصیب ہوجاتا ہے تو اس کے سامنے علماء ظاہر زانوئے ادب طے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ جس درس کے لئے پیدا کئے گئے تھے اس کا غیب سے سامان شروع ہوگیا۔ حضرت شمس الدین تبریزیؒ کے سینہ میں عشق و معرفت کا جو سمندر موجزن تھا اس کو عارفانہ جواہرات بکھیرنے کے لئے زبان عشق کا متلاشی ہونا پڑا۔ دعا کی کہ اے اللہ! اپنی محبت کا جو خزانہ آپ نے میرے سینہ میں چھپا رکھا ہے، اپنا کوئی ایسا خاص بندہ عطا فرما جس کے سینہ میں اس امانت کو منتقل کردوں اور وہ بندہ زبان عشق سے میرے اسرار مخفیہ کو قرآن و حدیث کے انوار میں بیان کرے۔ دعا قبول ہوگئی۔ حکم ہوا کہ روم جاؤ، وہاں تمہیں جلال الدین رومی ملیں گے ہم نے انھیں اس کام کے لئے منتخب کرلیا ہے۔

پس اچانک غیب سے آئی صدا شمس تبریزی تو فوراً روم جا
مولوی رومی کو کر مولائے روم اس کو فارغ کرتو از غوغائے روم

اس آواز غیبی کو سنتے ہی حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ روم کی طرف روانہ ہوگئے اور قونیہ

تشریف لائے جہاں برنج فروشوں کی سرا میں قیام فرمایا۔ سرائے کے دروازہ پر ایک چبوترہ تھا جس پر اکثر عمائد آ کر بیٹھتے تھے۔ اسی جگہ مولانا رومیؒ اور حضرت شمس تبریزیؒ کی ملاقات ہوئی اور اکثر صحبت رہنے لگی۔ حضرت تبریزی کی صحبت سے مولانا رومی کی حالت میں تغیر پیدا ہوگیا اور جب عشق حقیقی نے اپنا پورا اثر کر دیا تو مولانا پر مستی و وارفتگی غالب رہنے گی۔ درس و تدریس وعظ و پند کے اشغال چھوٹ گئے چنانچہ وہ حضرت شمس الدین تبریزی کی صحبت سے ایک لمحہ کو جدا نہ ہوتے تھے۔ تمام شہر میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔

مولانا فرماتے ہیں:

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم　　　　تا ابد جانان چنین می بایدم

(رومیؒ)

یعنی اے محبوب حقیقی! آپ کی محبت میں مجھ کو نعرۂ مستانہ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اے میرے محبوب! میں قیامت تک اسی دیوانگی و وارفتگی کو محبوب رکھنا چاہتا ہوں۔

ہر چہ غیر شورش و دیوانگی است　　　　در رہ او دوری و بیگانگی است

(رومیؒ)

یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت وشورش کے علاوہ دنیا کے تمام افسانے دوری اور بے گانگی کے مصداق ہیں۔

جب مولانا رومیؒ پر عشق الٰہی کا یہ اثر ظاہر ہوا تو شہر میں یہ فتنہ اٹھا کہ شمس تبرزیؒ نے ان پر جادو کر دیا ہے۔ فتنہ کے ڈر سے حضرت تبریزیؒ چپکے سے دمشق چل دیئے۔ آپ کی مفارقت سے مولانا کو بے حد صدمہ ہوا۔ ان کی بے چینی دیکھ کر کچھ لوگ حضرت شمس الدین تبریزیؒ کو واپس بلالائے، لیکن تھوڑے دن رہ کر وہ پھر کہیں غائب ہوگئے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت شمس الدین تبریزیؒ کو کسی نے شہید کر ڈالا۔

پیر کی اس مفارقت سی مولانا رومیؒ انتہائی بے چین ہوگئے اور ان کی زندگی تلخ ہوگئی۔

مولانا جلال الدین رومیؒ پر ان کے پیر حضرت شمس تبریزیؒ کے فیض صحبت نے کیا اثر کیا تھا اس کا پتہ مثنوی سے چلتا ہے۔ مثنوی معنوی میں مولانا رومیؒ کی زبان مبارک سے جو ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار نکلے ہیں وہ دراصل حضرت تبریزیؒ کی آتش عشق تھی، جو زبان کی محتاج تھی۔ اور مولانا روم کی زبان کو حق تعالیٰ نے شمس الدین تبریزیؒ کی زبان بنادیا۔

مولانا رومیؒ بادشاہ کے نواسے اور اپنے وقت کے زبردست محدث ومفسر تھے جس وقت پالکی پر چلتے تو مولانا کی محبت میں سینکڑوں شاگرد پا پیادہ پیچھے پیچھے چلتے تھے اب وہی مولانا رومیؒ ہیں کہ اللہ کی محبت میں اپنے پیر کا سب سامان گدڑی، چکی، پیالہ، غلہ اور بستر سر پر رکھے ہوئے گلی در گلی پھر رہے ہیں:

این چنین شیخ گدائے کو بکو　　　　عشق آمد لا ابالی فاتقوا
(رومیؔ)

یعنی اتنا بڑا شیخ آج گدا بن کر در بدر پھر رہا ہے۔عشق جب آتا ہے تو اسی شان سے آتا ہے۔ پس اے جھوٹے عشق کا دعویٰ کرنے والو! ذرا ہوشیار ہوجاؤ۔

پیر کامل کی صحبت نے مولا کو کیا بنادیا۔خود فرماتے ہیں:

مولوی ہرگز نشد مولائے روم　　　　تا غلام شمس تبریزی نشد

عشق تبریزیؒ نے مولانا رومؒ کو اس طرح دیوانہ کردیا کہ نہ پالکی رہی نہ جبہ و دستار نہ تلامذہ کا ہجوم، شانِ علم پر شانِ فقر غالب آگئی اور وہ علم کی صحیح حقیقت سے آگاہ ہوگئے۔فرماتے ہیں:

علم نبود جز کہ علم عاشقی　　　　ماقی تلبیسِ ابلیسِ شقی
(رومیؔ)

یعنی حقیقی علم درحقیقت حق تعالیٰ کی محبت کا نام ہے اور اس کے بجائے اگر علوم ظاہری کے اصل مقصود یعنی حصول محبت حق سے روگردانی کی تو ایسا علم ابلیس لعین کی تلبیس کا ذریعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:

قال را بگذار مرد حال شو　　　　پیش مرد کاملے پامال شو (رومی)

مولانا رومیؒ پر حضرت تبریزیؒ کی نظر نے کیمیا کا اثر کیا اور وہ فیض بخشا جو بڑے بڑے مجاہدات سے مدۃ العمر میں بھی حاصل نہ ہوسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے پیر کی ایک ایک بات سے محبت ہوگئی حتیٰ کہ پیر کے شہر تبریز سے بھی انہیں غیر معمولی محبت تھی مثنوی شریف میں جہاں تبریز کا نام آگیا ہے۔ وہاں کئی کئی شعر شہر تبریز کی تعریف میں فرما گئے ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مولانا رومیؒ نے مثنوی میں اولیاء اللہ کے جو صفات بیان فرمائے ہیں وہ ان کے چشم دید مشاہدات تھے۔ چونکہ اپنے پیر سے ان کو بدون مجاہدہ و ریاضت نسبت مع اللہ کا

بحر بے کراں ہاتھ لگ گیا تھا اس لئے اولیاء اللہ کی تعریف میں وہ مست و بے خود ہوجاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

پیر باشد نردبان آسمان تیر پران از کہ گردد از کمان
(رومیؒ)

یعنی پیر کا وجود حق تعالیٰ تک رسائی کے لئے مثل سیڑھی کے ہے اور تیر کا تیز رفتاری سے اڑنا بدون کمان کے کب ہوتا ہے۔

مولانا رومیؒ نے کئی کئی گھنٹے تنہائی میں اپنے پیر کی خدمت میں رہ کر اپنے سینہ میں اس آتش عشق کو جذب کرلیا۔ جس کے متعلق حضرت تبریزیؒ نے حق تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ مجھے کوئی ایسا بندہ عطا فرما جو میری آتش محبت کا تحمل کر سکے۔ شیخ کامل نے فیض صحبت سے مولانا رومیؒ پر ایمان حقیقی کا انکشاف ذوقاً اور حالاً محسوس ہونے لگا اور عشق حقیقی کے فیض سے مولانا رومیؒ کے سینہ میں علم و معرفت کا سمندر موجیں مارنے لگا۔ اور علم کا یہ سمندر ایسا وسیع ہے کہ آج تک اولیاء امت اس سے فیض یاب ہورہے ہیں اور مثنوی آج بھی دلوں میں عشق حق کی آگ لگا رہی ہے۔ مولانا کے علوم و معارف کا پتہ مثنوی معنوی کے مطالعہ سے چلتا ہے۔ اس وقت مولانا کا ایک علم لطیف مثالاً تحریر کرتا ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا کے عشق کا مقام کتنا بلند ترین ہے فرماتے ہیں:

بر برون کہہ چو زد نور صمد پارہ شد تا در درونش ہم زند

یعنی کوہ طور کی سطح ظاہری پر جب نور صمد نے تجلی فرمائی تو طور پارہ پارہ ہوگیا تا کہ نور صرف ظاہر پر نہ رہے باطن میں بھی داخل ہوجائے۔

گرسنہ چون بر کفش زد قرص نان وا شگافد از ہوس چشم و دہان
(رومیؒ)

یعنی بھوکے کے ہاتھ پر جب روٹی کا ٹکڑا رکھ دیا جاتا ہے تو ہوس سے وہ منہ اور آنکھیں پھاڑ دیتا ہے۔ یہی حالت طور کی ہوگئی گویا اس نے منہ پھاڑ دیا کہ غذائے نور جس طرح اس کے ہاتھ یعنی ظاہر پر رکھی گئی، اسی طرح اس کے بطن میں پہنچادی جائے۔

کوہ طور کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی جو کیفیت عشقیہ مولانا نے یہاں ارشاد فرمائی ہے اس سے مولانا کی نسبت عشقیہ کا ظہور ہوتا ہے۔

مولانا رومیؒ کی نسبت مع اللہ کو حضرت شمس الدین تبریزیؒ کی آتش عشق کی بدولت کتنا عروج نصیب ہوا اس کا اندازہ مولانا ہی کے کلام سے ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

سیر زاہد ہر مہی یک روزہ راہ　　　سیر عارف ہر دمی تا تخت شاہ
(رومیؒ)

یعنی زاہد خشک کی رفتار سلوک ہر ماہ میں ایک دن کی مسافت کے برابر ہوتی ہے اور عاشقین و صادقین کے ارواح ہر سانس میں تخت شہنشاہ حقیقی تک پرواز کرتی رہتی ہے۔

خواب را بگذار امشب اے پدر　　　یک شبی در کوئے بے خوابان گذر

یعنی اے پدر ایک رات نیند کو ترک کرکے ذرا بے خوابوں کی گلی میں تو آ کر دیکھ۔

بنگر ایشان را کہ مجنون گشتہ اند　　　ہمچو پروانہ بوصلش کشتہ اند
(رومیؒ)

یعنی پھر دیکھ ان بے خوابوں کو کہ عشق حقیقی نے انہیں کیسا مجنون کر رکھا ہے اور پروانوں کی طرح یہ تجلیات قرب سے کیسے کشتہ ہو رہے ہیں؟

ہین بیائید اے پلیدان سوی من　　　کہ گرفت از خوی یزدان خوئے من
(رومیؒ)

یعنی اے خواہشات نفسانیہ! میں ملوث غافل انسانو! میری طرف آؤ کہ میرے اخلاق و اخلاق الٰہیہ سے متخلق ہوگئے ہیں۔

اولیا را در درون ہا نغمہ ہاست　　　طالبان را زان حیات بے بہاست
(رومیؒ)

یعنی اولیاء اللہ کے قلب میں عشق حقیقی کے ہزاروں نغمات پوشیدہ ہیں جن سے طالبین کو حیات بے بہا عطا ہوتی ہے:

اے تواضع بردہ پیش ابلہان　　　اے تکبر کردہ تو پیش شہان
(رومیؒ)

یعنی اے مخاطب تو دنیاداروں کے پاس جاکر دنیا کے لئے ان کے سامنے تواضع اختیار کرتا ہے حالانکہ بوجہ غفلت عن الآخرۃ یہ بے وقوف لوگ ہیں اور اگر تو کبھی اللہ والوں کی خدمت میں جاتا بھی

ہے تو ان کے ساتھ تکبر سے پیش آتا ہے، حالانکہ یہی حضرات درحقیقت سلطانیت و بادشاہت کی شان رکھتے ہیں بلکہ ان کی باطنی دولت تعلق مع اللہ رشک سلطنت ہفت اقلیم ہے:

باز سلطان گشتم و نیکو پیم　　　فارغ از مردارم و کرگس نیم

(رومیؒ)

یعنی میں باز شاہی ہوں اور عشق سلطانی کی برکت سے خوش خصال ہوگیا ہوں۔ عشق حقیقی کے فیض سے میرے صفات کرگسی صفت شاہباز سے تبدیل ہوگئے ہیں یعنی پہلے دنیائے مردار پر مثل کرگس میں عاشق تھا اب وہ عشق عشق حق میں تبدیل ہو چکا ہے اور مردار خوری سے میں باز آ چکا ہوں۔

چوں بمردم از حواس بو البشر　　　حق مرا شد سمع و ادراک بصر

نور او دریمن و یسر وتحت وفوق　　　بر سر و برگردنم مانند طوق

(رومیؒ)

یعنی جب میرے اخلاق رذیلہ میرے مرشد کامل کے فیض صحبت سے فنا ہوگئے اور میرا نفس اخلاق حمیدہ سے متصف ہوگیا تو اب میں حق تعالیٰ کے نور سے سنتا ہوں اور حق تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہوں۔ حق تعالیٰ کا نور اپنے داہنے بائیں اوپر نیچے دیکھتا ہوں۔ اور نور حق کو اپنے سر اور گردن میں مثل طوق کے پاتا ہوں۔

حضرت تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فیض سے مولانا کو عشق حقیقی کا جو مقام حاصل ہوا اور ان کی روح میں جو کیفیت عشقیہ پیدا ہوئی اس کا کچھ اندازہ مولانا کے اس کلام سے ہوتا ہے:

بادہ در جوشش گدائے جوش ماست　　　چرخ در گردش اسیر ہوش ماست

(رومیؒ)

یعنی بادہ اپنے جوش میں ہمارے جوش کی گدا ہے اور آسمان اپنے گردش میں ہمارے ہوش کا قیدی ہے۔

بادہ از ما مست شد نی ما ازو　　　قالب از ما ہست نے کہ ما ازو

(رومیؒ)

یعنی شراب ہم سے مست ہوئی ہے نہ کہ ہم شراب سے مست ہوئے ہیں۔ یہ جسم ہماری روح کے فیض سے موجود ہے، نہ کہ ہم اپنے وجود میں جسم کے محتاج ہیں۔

جب روح میں حق تعالیٰ سے نسبت خاصہ پیدا ہوجاتی ہے تو صفات روح صفات نفس پر غالب ہوجاتے ہیں اور روح چونکہ عالم امر سے متعلق ہے اور عالم ناسوت یعنی دنیا عالم آخرت کے مقابلہ میں مثل قیدخانہ ہے پس عشق حقیقی کے آثار جب عارف کی روح اپنے اندر محسوس کرتی ہے تو اس کو اس عالم کی فانی مستی اپنی حقیقی اور ابدی مستی کے سامنے محتاج وگدا معلوم ہوتی ہے اور روح عارف کو اپنی وسعت پرواز کے سامنے آسمان کی گردش بھی ہیچ معلوم ہوتی ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ پر حال کی لذت جب منکشف ہوگئی تو ان پر محض قیل و قال کا ہیچ ہونا ظاہر ہوگیا۔ ایمان حالی اور تحقیقی کے سامنے ایمان استدلالی اور ایمان تقلیدی کی کوئی حقیقت نہیں:

پای استدلالیاں چوبین بود　　پای چوبین سخت بی تمکین بود

یعنی مولانا فرماتے ہیں کہ دلائل اور استدلال کے پیر لکڑی کے ہوتے ہیں اور لکڑی کے پاؤں نہایت بودے اور کمزور ہوتے ہیں، اس کے برعکس جو معرفت تقویٰ اعمال صالحہ اور عشق حقیقی کی برکت سے نصیب ہوتی ہے وہ نہایت پائدار ہوتی ہے۔ قلب کی بصیرت سے جو ایمان عطا ہوتا ہے وہ بصائر کے مشاہدات سے بھی مافوق ہوتا ہے۔ صحبت اہل اللہ اور کثرت ذکر اللہ سے جو یقین نصیب ہوتا ہے وہ اپنی مضبوطی میں جبل استقامت ہوتا ہے۔ تمام دنیا اگر کفر وشرک سے آلودہ ہوجائے لیکن ایسے شخص کا ایمان ہر حال میں اپنی توحید کا علمبردار ہوتا ہے۔

لیکن آج کل مغرب زدہ مذاق نے زمانہ سازی کو اپنی زندگی کا معیار بنا رکھا ہے اور اس کا نام پالیسی رکھا ہے، جس کا منشا یہ ہے کہ زمانے کے موافق بدلتے رہو خواہ ایمانی حیات موت کے گھاٹ ہی کیوں نہ اتر جائے۔ یہ پالیسی کیا ہے؟ پا+ لیسی ہے۔ لیسیدن فارسی کا مصدر ہے جس کے معنی چاٹنے کے ہیں۔ یعنی پیر چاٹنا، پس یہ مغرب زدہ رفتار زمانہ کا پیر چاٹ رہے ہیں۔ یاد رکھئے کہ پالیسی اور حق پرستی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتی۔ حق پرست کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ اس کو صرف ایک خدائے وحدہ لاشریک کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے اور اہل پالیسی کو تمام زمانے کی خوشامد کرنی پڑتی ہے تاکہ زمانہ اس سے راضی رہے۔ اس لئے یہ ہمیشہ غمگین و متفکر رہتا ہے اور مومن کامل زمانے سے بے پروا ہوکر صرف خالق اکبر کی رضامندی کا متلاشی ہوتا ہے۔

مولانا جلال الدین رومیؒ نے تمام انسانوں کو اپنے باطن میں تعلق مع اللہ کی لازوال دولت پیدا کرنے کی دعوت دی ہے، جس نعمت کو انہوں نے خود چکھا تھا اس کو چاہا کہ عام ہوجائے۔

شَرِبْنَا وَ اَهْرَقْنَا عَلَى الْاَرْضِ جُرْعَةً　　　فَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاسِ الْكِرَامِ نَصِيْبُ

مولانا نے فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ بہت سے اسرار مخفی رکھتے ہیں اور ان کو ظاہر نہیں کرتے کہ عقول متوسطہ عامہ اس کے فہم سے قاصر ہوتی ہیں لیکن پھر بھی گاہ گاہ غیر ارادی طور پر ان کی زبان سے کچھ اظہار ہوجاتا ہے، جس طرح چھینک اور جمائی کے وقت ارادہ کے بغیر منہ کھل ہی جاتا ہے پس بعض اسرار جن کی حق تعالیٰ ان کی زبان سے ظاہر کرانا چاہتا ہے تو ان پر کوئی قوی اور ناقابل تحمل حالت طاری فرما کر گاہ گاہ کچھ کہلوا دیتا ہے، تاکہ اہل ذوق کو کچھ خوشبو اس عالم کی مل جائے اور ان کا دل بھی اس دنیائے فانی سے ہٹ کر عالم غیب کے کروفر کی طرف مائل ہو:

گر ببینی یک نفس حسن ودود　　　اندر آتش افگنی جان را تو زود

گر بہ بینی کر و فر قرب را　　　جیفہ بینی بعد ازیں این شرب را

(رومیؒ)

یعنی اے لوگو! اگر ایک لحہ کے لئے تم حق تعالیٰ کی تجلیات قرب کا مشاہدہ کرلو تو غلبہ شوق میں اپنی جان عزیز کو آتش مجاہدات کی نذر کردو۔ اور اگر قرب حق کی شان وشوکت اپنے باطن میں دیکھ لو تو اس دنیائے فانی کے نقش ونگار اور لذتیں تم کو مردار معلوم ہوں۔

اور مولانا رومیؒ کی وہ نصیحت سنئے جس پر عمل کرنے سے روح انسانی تجلیات ربانی کی عاشق ہوجاتی ہے اور دل دنیائے مردار سے متنفر ہوجاتا ہے:

راہ کن اندر بباطن خویش را　　　دور کن ادراک غیر اندیش را

(رومیؒ)

یعنی اپنے باطن میں حق تعالیٰ کا راستہ پیدا کرلو۔ یہ راستہ کیسے پیدا ہوگا؟ اس ادراک کو جو غیر کا تصور کرنے والا ہو، دور کردو۔ غیر اللہ جب دل سے نکل جائے گا تب حق تعالیٰ دل میں تجلی فرمائے گا:

کیمیا داری دوای پوست کن　　　دشمنان رازین صناعت دوست کن

یعنی اے انسان! تو اپنے پاس ایک کیمیا رکھتا ہے۔ وہ کیمیا کیا ہے؟ عشق الٰہی کی نعمت ہے جو ترے اندر ودیعت کی گئی ہے اور اس کیمیا کی خاصیت ہے کہ یہ اخلاق ذمیمہ کو تبدیل کردیتا ہے۔ پس تو جسم اور اس کی شہوات کی دوا اس کیمیا سے کرتا کہ اخلاق ذمیمہ اخلاق حمیدہ سے بدل جائیں اور اپنے دشمنوں یعنی نفس و شیطان کو اس کیمیا سے اپنا دوست بنالے، تاکہ تیرا نفس امارہ نفس مطمئنہ

ہوجائے اور شیطان مشابہ دوست کے ہوجائے عدم اضلال میں (لاستثناء المخلصین من الاغواء)۔

چوں شدی زیبا بدان زیبا رسی | کہ رہاند روح را از بی کسی
(رومی)

یعنی جب تمہارے اخلاق رذیلہ شیخ کامل کی اصلاح سے مبدل باخلاق حمیدہ ہوجائیں گے، تو تم جمیل ہوجاؤ گے اور جب جمیل ہوجاؤ گے تو اس جمیل حقیقی کے مقرب ہوجاؤ گے **الله جمیل و یحب الجمال** کیونکہ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ اور جس روح کو وہ پسند فرماتا ہے اس کو بے کسی سے نجات فراہم کردیتا ہے۔

حضرت شمس الدین تبریزیؒ کے فیض صحبت سے حضرت عارف رومیؒ کو جو شورش و دیوانگی نصیب ہوئی اور منازل سلوک کو جذب وعشق کے راستہ جس تیزی سے انہوں نے طے کیا، اس وجہ سے مولانا کو اس امر کا یقین ہوگیا تھا کہ حق تعالیٰ کا راستہ عشق و دیوانگی کا راستہ ہے۔ خود فرماتے ہیں:

ہرچہ غیر شورش و دیوانگی است | در رہ حق دوری و بیگانگی است
(رومی)

یعنی شورش و دیوانگی کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب حق تعالیٰ کے راستہ میں دوری اور بے گانگی ہے۔

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم | تا ابد جانان چنین می بایدم
(رومی)

یعنی نعرۂ مستانہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ قیامت تک اے محبوب میں اسی طرح دیوانہ رہنا چاہتا ہوں۔

غیر آن زنجیر زلف دلبرم | گر دو صد زنجیر آری بردرم
(رومی)

یعنی زنجیر زلف دلبر یعنی احکام شریعت مطہرہ کے علاوہ اگر دو سو زنجیریں بھی میرے پاؤں میں ڈالو گے تو سب کو توڑ کر رکھدوں گا کہ اللہ کی زنجیر میں بندھے ہوئے دیوانے کو کوئی زنجیر گرفتار نہیں کرسکتی۔

حضرت مولانا رومیؒ عشق کے بحر بے کراں تھے اور عاشق کو ذکر محبوب کے علاوہ کچھ اچھا نہیں لگتا،

اس لئے کبھی عاشق پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے کہ ہماری طرح کوئی اور بھی اللہ کا دیوانہ ملے جس سے محبوب حقیقی کی باتیں کرکے قلب مضطرب کو تسلی وسکون حاصل ہو تلاش میں رہتے تھے۔ ایک دن اسی اضطراب میں صلاح الدین زرکوب کی دوکان کے پاس سے گذرے وہ ورق کوٹ رہے تھے۔ ورق کوٹنے کا ہتھوڑا کچھ اس انداز سے آواز پیدا کرتا ہے کہ اہل دل اس آواز سے اپنے قلب میں ایک کیفیت عشق محسوس کرتے ہیں۔ پھر مولانا تو سراپا عشق اور سوختہ جان تھے یہ آواز سن کر بے ہوش ہوگئے۔ صلاح الدین زرکوبؒ نے ہاتھ نہیں روکا اور بہت سے ورق ضائع کردیئے۔ بالآخر صلاح الدین کے دل میں مولانا کے فیض باطن سے اسی وقت عشق الٰہی کی آگ لگ گئی اور غلبۂ عشق میں دوکان کھڑے لٹادی اور مولانا کے ہمراہ ہولئے۔

نوسال تک صلاح الدینؒ مولانا کی خدمت میں رہے ان کی صحبت سے مولانا کو بہت سکون ملا بالآخر ۶۶۴ھ میں صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا۔ ان کی وفات کے بعد مولانا نے اپنے مریدین میں سے مولانا حسام الدین چلپیؒ کو اپنا ہمراز بنا لیا اور پھر جب تک زندہ رہے ان کی صحبت سے محبوب حقیقی کا غم وفراق ہلکا کرتے رہے۔ انھیں مولانا حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ترغیب پر مولانا نے اپنی مشہور تصنیف مثنوی شریف لکھی۔ مولانا نے مثنوی میں خود اشارہ فرمایا ہے:

اے ضیاء الحق حسام الدین توئی　　　ہمچنان مقصود من زین مثنوی
(رومیؒ)

مولانا حسام الدین کو مخاطب کرکے حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ قصۂ مذکورہ میں جس طرح اس پیاسے کا مقصود گہرے پانی میں بار بار اخروٹ ڈالنے سے پانی کی آواز سننا اور اس کے بلبلوں کو دیکھنا تھا اسی طرح اس مثنوی سے اے حسام الدین تم ہی میرے مقصود ہو:

مثنوی اندر اصول و ابتدا　　　جملہ بہرتست و برتست انتہا
(رومیؒ)

یعنی یہ مثنوی ابتداء سے تمہارے ہی لئے ہے اور تمہیں پر اس کی انتہا ہے۔

قصدم از الفاظ او راز تو است　　　قصدم از انشاش آواز تو است
(رومیؒ)

یعنی میرا مقصود اس مثنوی سے آپ کا راز بیان کرنا ہے، کیونکہ اس کے الفاظ مصنف کے کمال پر

دال ہیں اور مصنف فی الحقیقت آپ ہی ہیں۔ میں تو صرف ایک آڑ ہوں اور اس کی انشاء سے میرا مطلوب آپ کی آواز ہے جس کو میں آپ کے القائے مضامین کے وقت اپنے گوش دل سے سنتا ہوں۔

ایک بار مثنوی بیان کرتے کرتے مولانا اچانک خاموش ہوگئے اور فرمایا کہ اس وقت غیب سے مضامین کی آمد نہیں ہورہی ہے، اس وجہ سے مضامین میں کیف نہیں لہٰذا خاموش ہوجانا ہی مناسب ہے۔ اسی موقع پر فرمایا:

سخت خاک آلود می آید سخن　　　اے حسام الدین درچہ بند کن

(رومیؒ)

یعنی میرے چاہ باطن سے آپ سخن سخت خاک آلود آرہا ہے، لہٰذا اے حسام الدین چاہ باطنی کا دروازہ بند کردیجئے یعنی زبان پر مہر سکوت لگا دیجئے اور زیادہ سخن گوئی کی فرمائش اس وقت نہ کیجئے۔

مثنوی کے مضامین کا الہامی ہونا تو مثنوی کے مطالعہ ہی سے معلوم ہوتا ہے لیکن خود مولانا رومیؒ نے ایک شعر میں اس کو واضح بھی فرمادیا ہے:

قافیہ اندیشم و دلدار من　　　گویدم مندیش جز دیدار من

(رومیؒ)

یعنی جب میں قافیہ سوچنے لگتا ہوں تو میرا محبوب مجھ سے کہتا ہے کہ قافیہ مت سوچ صرف میرے دیدار میں مشغول رہ یعنی صرف میری طرف متوجہ رہ قوافی ہم الہام فرمائیں گے تو اپنے قلب کو قافیہ اندیشی میں مشغول نہ کر۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے تاج کی داستان

مولانا نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام نے آئینہ کے سامنے اپنا تاج سر پر رکھا اور وہ تاج ٹیڑھا ہوگیا آپ نے سیدھا کیا لیکن وہ پھر ٹیڑھا ہوگیا اس طرح تین بار سیدھا کیا اور تاج تینوں بار ٹیڑھا ہوگیا، بس آپ غلبۂ خوف الٰہی سے سجدہ میں رونے لگے اور استغفار کرنے لگے اس کے بعد پھر تاج رکھا تو وہ ٹیڑھا نہ ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ میری کوئی بات حق تعالیٰ کو پسند نہ آئی ہوگی اور میاں کی نگاہ پھر گئی ہے، اس لئے یہ تاج بے جان ہونے کی باوجود مجھ

سے پھر گیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر تھے اور نبی معصوم ہوتا ہے، اس لئے سوال دل میں آتا ہے کہ کیا ان سے کوئی خطا سرزد ہوئی تھی؟

جواب یہ ہے کہ خطا سرزد نہ ہوئی تھی۔ لیکن انبیاء علیہم السلام اگر اجتہادی طور پر افضل کو چھوڑ کر فاضل اختیار کرتے ہیں تو اس پر بھی ان سے مواخذہ ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ فعل فی نفسہ جائز ہوتا ہے پس اسی قبیل سے کوئی بات ہوئی ہوگی۔ اب مولانا فرماتے ہیں:

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند

اس واقعہ میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاج تو بے جان تھا پھر بے جان نے حرکت کیسے کی کہ ٹیڑھا ہوگیا؟ مولانا نے شرح مذکور میں اسی سوال کا جواب دیا ہے کہ خاک اور ہوا، پانی اور آگ یہ عناصر اربعہ کہلاتے ہیں اور انھیں سے اشیاء کی تعمیر اور تخلیق ہوتی ہے، تو یہ عناصر اگرچہ فی نفسہ مردہ اور بے جان ہیں لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ ان کا تعلق زندوں ہی جیسا ہے یہ تمام جمادات اور نباتات امر الٰہی کو سمجھتے ہیں اور حکم سنتے ہیں فوراً تعمیل حکم بجالاتے ہیں۔

ایک شخص کے منہ ٹیڑھا ہوجانے کی داستان

ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک تمسخر اور بدتمیزی سے لیا تھا جس کی وجہ سے اس کا منھ ٹیڑھا ہوگیا:

آن دہن کژ کرد از تمسخر بخواند　　　نام احمد را دہانش کژ بماند

یعنی وہ شخص جس نے منہ چڑا کر تمسخر سے حضرت احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک لیا۔ اس کا منہ ٹیڑھا کا ٹیڑھا رہ گیا۔

باز آمد کاے محمد عفو کن　　　اے ترا الطاف علم من لدن

یعنی وہ بدبخت نالائق معافی کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے معاف کردیجئے، آپ کو علم لدنی کے الطاف حاصل ہیں:

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　　میلش اندر طعنۂ پاکان برد

یعنی مولانا فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی رسوائی چاہتا ہے، تو اس کو پاک لوگوں پر طعن کرنے کی طرف مائل کردیتا ہے اور مائل کرنا شامت اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی کسی گناہ کی سزا

میں عقل پر اس قسم کا وبال آتا ہے کہ کسی ولی اللہ کو برا کہنا اور طعنہ دینا شروع کرتا ہے اور اس کے اس جرم کو سبب قریب بنا دیتے ہیں، اس کی ذلت و ہلاکت اور رسوائی کا سبب قرار دے دیا جاتا ہے۔

ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس   کم زند در عیب معیوبان نفس

یعنی جب حق تعالیٰ کسی بندہ کی عیب پوشی کرنا چاہتے ہیں تو اس کو توفیق دیتے ہیں کہ وہ معیوب لوگوں کے عیب پر بھی کلام نہیں کرتا:

چون خدا خواہد کہ ما یاری کند   میل مارا جانب زاری کند

یعنی جب اللہ تعالیٰ ہم پر احسان کرنا چاہتا ہے تو ہمارے میلان کو آہ و زاری کی طرف کر دیتا ہے:

اے خنک چشمی کہ آن گریان اوست   وی ہمایون دل کہ آن بریان اوست

یعنی وہ آنکھ ٹھنڈی ہو جو اس محبوب حقیقی کے لئے روتی ہو اور اے مخاطب وہ دل مبارک ہے جس کی سوزش عشق سے بریاں ہو:

از پے ہر گریہ آخر خندہ ایست   مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

یعنی ہر گریہ و بکا کا انجام بشرطیکہ وہ اللہ کی محبت اور اس کے خوف سے ہو، خندہ کرتا ہے۔ یعنی خوشی و مسرت پیدا کرتا ہے۔ اور انجام و مآل کا خیال رکھنے والا ہی مبارک بندہ ہے:

ہر کجا آب روان سبزہ بود   ہر کجا اشک روان رحمت شود

جہاں آنسو بہتے ہیں وہاں اللہ کی رحمت کا باغ لہلہانے لگتا ہے۔ مراد اس سے دل کی سیرابی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دو قطرے بہت ہی محبوب ہیں، ایک وہ قطرہ آنسو کا جو اللہ کے خوف سے بہے اور ایک قطرہ خون کا جو اللہ کی راہ میں بہایا جائے:

مرحمت فرمود سید عفو کرد   چون ز جرئت توبہ کرد آن روی زرد

یعنی جب اس نے جرأت علی المعصیت سے توبہ کی تو سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی خطا کو معاف کر دیا:

رحم خواہی رحم کن بر اشکبار   رحم خواہی بر ضعیفان رحمت آر

یعنی اگر تم اللہ سے اپنے لئے رحمت چاہتے ہو تو آبدیدہ ہو کر معافی مانگنے والے پر رحم کرو اگر تم رحمت الٰہیہ کے خواستگار ہو تو پہلے خود کمزوروں پر رحم کرو۔

شب چراغ اور گاوٴ آبی کی حکایت

دریائی گائے یا بیل دریا سے موتی کو نکال کر لاتا ہے اور رات میں اس کی روشنی میں سبزہ زار سے سوسن اور ریحان جلدی جلدی چرتا ہے۔ اسی لئے اس جانور کا پائخانہ عنبر ہوتا ہے، کیونکہ اس کی غذا نرگس اور نیلوفر وغیرہ لطیف اور خوشبو دار نباتات ہیں۔ اب مولانا اس مضمون سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے دربیش بہا بات بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح گاوٴ بحری کا خوشبو کھانا سبب ہوتا ہے خوشبو حاصل ہونے کا، اسی طرح جس کی روحانی غذا نور جلال (ذکر و طاعت الٰہی) ہوگی تو اس کے لبوں سے (کلام موٴثر) کیونکر نہ پیدا ہوگا۔ اسی مضمون کو اس شعر میں بیان فرمایا:

ہر کہ باشد قوت او نور جلال　　　چون نزاید از لبش سحر حلال

یعنی جس کی غذا نور جلال یعنی ذکر و طاعت ہوگی تو اس کے لبوں سے کیونکر نہ کلام موٴثر پیدا ہوگا۔

پھر وہ دریائی گائے نور گوہر میں چرتے چرتے موتی سے دور چلا جاتا ہے، اس وقت کوئی تاجر جو اس موتی کی غرض سے وہاں درخت کے اوپر سیاہ کیچڑ لئے بیٹھا رہتا ہے، اس موتی پر پھینک دیتا ہے اس سے سبزہ زار تاریک ہوجاتا ہے، کیونکہ کیچڑ موتی کی شعاع نور کو پھیلنے سے روک دیتا ہے۔ وہ گاوٴ دریائی تھوڑی دیر اسی چراگاہ میں دوڑا پھرتا ہے تاکہ اس مخالف کو سینگ میں لپیٹ لے مگر وہ درخت پر خاموش بیٹھا رہتا ہے، پس جب وہ دریائی گاوٴ ناامید ہوجاتا ہے تو وہاں آتا ہے جہاں موتی رکھا تھا، مگر وہاں آکر کیچڑ دیکھتا ہے جو در شاہوار کے اوپر رکھا ہوا ہے۔ پس کیچڑ دیکھ کر بھاگ جاتا ہے۔ اب مولانا یہاں ایک عظیم نصیحت فرماتے ہیں کہ ابلیس لعین بھی اسی جانور کی طرح سیدنا آدم علیہ السلام کے خاکی پتلے کو دیکھ کر بھاگا اور سجدۂ تعظیمی کرنے سے انکار کیا اور امر الٰہی پر اعتراض کیا کہ خاک سے آگ افضل ہے اور یہ خاکی ہیں اور میں ناری ہوں اور ابلیس بدبخت کو یہ عقل نہ آئی کہ اس خاک اور آب وگل کے اندر خلافت الٰہیہ کے تاجدار سیدنا آدم علیہ السلام کی روح مخفی ہے۔

اهبطوا افگند جان را در بدن　　　تا بگل پنہان بود در عدن

یعنی حکم الٰہی اهبطوا نے سیدنا آدم عیہ السلام کی روح مبارک کو جسد خاکی میں ڈالدیا اور آپ کے آب وگل کے پتلے میں در عدن مخفی ہوگیا:

اے رفیقان زین مقیل و زان مقال　　　اتقوا ان الهوىٰ حيض الرجال

یعنی اے رفیقو! اس قیل و قال سے پرہیز کرو تحقیق کی ہوائے نفسانی حیض الرجال ہے یعنی زندگی

کو محض عیش کوشی اور فضول بحث مباحثہ میں ضائع کرنے کے بجائے سلوک طے کرنے میں فوراً مشغول ہو جاؤ:

کان بلیس از متن طیں کور وکرست　　　گاؤ کے داند کہ در گل گوہرست

یعنی وہ ابلیس مابین الطین (مٹی کے باطن سے) بے خبر اور اندھا تھا۔ وہ دریائی گاؤ کب واقف تھا کہ کیچڑ میں موتی پوشیدہ ہے۔

فائدہ: اسی طرح حمقائے زمانہ اہل اللہ کی ظاہری خستگی اور بے سرو سامانی کو اپنے بنگلوں اور دیگر ٹھاٹ باٹ اور قیمتی کپڑوں سے موازنہ کرکے دھوکہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں انھیں یہ خبر نہیں کہ خزانہ ویرانے ہی میں ہوتا ہے، اور اس بے سرو سامانی ہی میں میر سامانیت اور اس دیوانگی ہی میں صد فرزانیت مخفی ہے۔ یعنی اللہ والوں کی روح میں تعلق مع اللہ کا خزانہ ہے ان کی بے سروسامانی سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ خدا ان معاندین کو ہدایت دے جو اہل اللہ سے نفور ہیں اور محروم ہیں۔ القصہ مختصر یہ کہ وہ تاجر درخت سے دیکھتا رہتا ہے اس دریائی گاؤ کو کہ کب یہ احمق اس کیچڑ سے مایوس ہوکر دریا کی طرف رخ کرے اور پھر اتر کر موتی نکال کر کامیاب واپس جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ والوں سے استفادہ میں ان کے جسم خاکی پر نظر مت کرو ان کی روح سے اللہ کی خوشبو سونگھو، جس طرح مجنوں کو جب علم ہوا کہ لیلیٰ کا انتقال ہوگیا تو قبرستان گیا اور زار و قطار روتا ہوا ہر قبر کی مٹی کو سونگھتا تھا یہاں تک جب لیلیٰ کی قبر پر پہنچا تو مٹی کو سونگھ کر کہا کہ ہاں یہی لیلیٰ کی قبر ہے۔

مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

ہمچو مجنون بوکنم ہر خاک را　　　تا بیابم خاک لیلیٰ بے خطا

یعنی مثل مجنوں کتّے میں بھی ہر خاک کو سونگھتا ہوں یہاں تک کہ خاک لیلیٰ کو میں بے خطا پالیتا ہوں، اسی طرح مولیٰ کی خوشبو اللہ والوں سے اللہ کے سچے مجنوں اور طالب کو مل جاتی ہے۔ اور وہ چند مجالس اور صحبتوں میں سونگھ لیتا ہے کہ اس جسم کے اندر جو قلب ہے وہ تعلق مع اللہ کی خاص تجلی سے مشرف ہے۔

حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سفر میں حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا تحقیق کہ میں یمن کی طرف سے اللہ کی خوشبو پا رہا ہوں۔ یہ حضرت اویس قرنی کی خوشبو تھی، جو یمن کے کسی قصبہ قرن میں بہت اللہ والے، اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سچے عاشق تھے اور

ماں کی خدمت کے سبب دربارِ نبوی صلی اللہ و آلہ وسلم میں حاضر نہ ہو سکے تھے:

گفت پیغمبر کہ بردست صبا　　　از یمن می آیدم بوئے خدا

یعنی پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہوا کے ہاتھ پر یمن سے مجھے خدا کی خوشبو آرہی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ: "انی لاجد ریح الرحمن من قبل الیمن حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں رحمٰن کی خوشبو یمن کی طرف سے پا رہا ہوں۔

آج بھی خدا کے سچے عاشقین طالبین اللہ والوں سے اللہ کی خوشبو پاجاتے ہیں اور ان سے استفادہ میں عار و شرم نہیں کرتے:

اے عدوی شرم و اندیشہ بیا　　　کہ دریدم پردۂ شرم و حیا

مولانا فرماتے ہیں کہ اے عشق اے شرم و اندیشہ کے دشمن میرے پاس آجا کہ میں نے شرم و حیا کا پردہ چاک کر دیا یعنی وہ غیر پسندیدہ شرم جو اطاعت امر الٰہی میں حائل ہو اس کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔

حکایت صبر و تحمل حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام کے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بکریوں کے چرانے کا قصہ قرآن شریف میں منصوص ہے۔ اسی زمانے میں ایک دن ایک بکری حضرت کلیم اللہ علیہ السلام سے بھاگ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاؤں اس کی تلاش میں دوڑنے سے پر آبلہ ہو گئے اور آپ اس کی تلاش میں اتنی دور نکل گئے کہ اصل گلہ بھی نظر نہ آتا تھا، وہ بکری آخر کار تھک کر سست ہو گئی اور کسی جگہ کھڑی ہو گئی تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ ملی۔

آپ نے اس پر بجائے غضب اور غصہ اور ضرب و کوب کے اس کی گرد جھاڑی اور اس کی پشت اور سر پر ہاتھ پھیرتے تھے، اور ماں کی طرح اس پر نوازش کرتے تھے، اور باوجود اس قدر اذیت برداشت کرنے کے آدھا ذرہ بھی اس پر کدورت اور غیظ نہ کیا، اور اسی کی تکلیف کو دیکھ کر آپ کا دل رقیق ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بکری سے فرمایا کہ میں نے فرض کیا کہ تجھ کو مجھ پر رحم نہیں آیا۔ اس لئے تو نے مجھ کو تھکایا لیکن تجھے اپنے اوپر رحم کیوں نہ آیا؟ میرے پاؤں کے آبلوں اور کانٹوں پر تجھے رحم نہ آیا تھا تو تجھے اپنے اوپر تو رحم آنا چاہئے تھا۔

اسی وقت ملائکہ سے حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ نبوت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام زیبا ہیں۔ اس وقت تک آپ کو نبوت نہ عطا ہوئی تھی یعنی امت کا غم کھانے اور ان کی طرف سے ایذا رسانی

کے تحمل کے لئے جس حوصلہ اور جس دل وجگر کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بخوبی ان میں موجود ہے:

با ملائک گفت یزدان آن زمان　　　که نبوت را همی زیبد فلان

یعنی ملائک سے حق تعالیٰ نے فرمایا اس وقت کی نبوت کے لئے فلاں (موسیٰ علیہ السلام) زیبا ہیں:

مصطفیٰ فرمود خود کہ ہر نبی　　　کرد چو پانیش برنا یا صبی

یعنی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی نے نبوت سے قبل بکریوں کی چرواہی کی ہے۔

بخاری شریف میں حدیث مذکور وارد ہے اور اس کی حکمت مولانا بیان فرماتے ہیں:

تا شود پیدا وقار و صبر شان　　　کردشان پیش از نبوت حق شبان

یعنی تاکہ بکریوں کے چرانے سے انبیاء علیہم السلام کا صبر اور وقار ظاہر ہوجائے، اسی لئے نبوت سے قبل ان کو شبان بنایا جاتا ہے یہ شبانی یعنی بکریوں کی چرواہی صبر وحلم کی عادت پیدا کرتی ہے، کیونکہ بکریاں اکثر مختلف جانب بکھر جاتی ہیں، ان کے جمع رکھنے اور نگرانی میں پریشانی ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس قصہ میں ایک بکری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پریشان کیا:

گفت سائل ہم تو نیز اے پہلوان　　　گفت من ہم بودہ ام دہری شبان

کسی سائل نے حضور صلی اللہ تعالیٰ آلہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا آپ بھی اے سید الخلائق! فرمایا کہ ہاں میں نے بھی ایک زمانے تک بکریاں چرائی ہیں۔

لاجرم حقش دہد چو پاییے　　　بر فراز چرخ مہ روجاییے

حق تعالیٰ اس چرواہی کے بعد روحانی چوپانی عطا فرماتا ہے یعنی فلک قمر کی روحانی چوپانی سے مراد مقام ارشاد وتربیت عباد ہے۔ پس بعد اداء حق رعی غنم کے رعی روحانی کا منصب انبیاء علیہم السلام کو عطا فرماتا ہے۔

حکایت طوطی و بقال

ایک دوکاندار نے ایک طوطا پال رکھا تھا اور اس خوش آواز سبز رنگ کے طوطے سے اس دوکاندار کو بہت محبت تھی اور یہ طوطا خوب باتیں کرتا اور خریداروں کو خوش کرتا۔ اور جب دوکاندار نہ ہوتا تو وہ دوکان کی حفاظت بھی کرتا۔

ایک دن دوکاندار نہ تھا اور اچانک ایک بلی نے کسی چوہے کو پکڑنے کے لئے حملہ کیا۔ اس طوطے

نے سمجھا کہ شاید مجھے پکڑنا چاہتی ہے یہ اپنی جان بچانے کے لئے ایک طرف کو بھاگا اسی طرف بادام کے تیل کی بوتل رکھی تھی سارا تیل گرگیا۔ جب دوکاندار آیا تو اس نے اپنی گدی پر تیل کی چکناہٹ محسوس کی اور دیکھا کہ بوتل سے تیل گرگیا ہے اس نے غصہ میں اس طوطے کے سر پر ایسی چوٹ لگائی جس سے اس کا سر گنجا ہوگیا۔ یہ طوطا اس دوکاندار سے ناراض ہوگیا اور بولنا چھوڑ دیا۔

طوطے کے اس فعل سے دوکاندار کو سخت پریشانی ہوئی اور بہت ندامت ہوئی کہ میں اب کیا کروں کیونکہ دوکاندار کو اس کی باتوں سے بڑا لطف ملتا تھا۔ کئی روز تک اس طوطے کی خوشامد کی۔ طرح طرح کے پھل دیئے کہ خوش ہوجائے۔ لیکن طوطا بالکل خاموش تھا۔ اس دوکان پر جو خریدار آتے وہ بھی اس کے خاموش رہنے سے تعجب اور افسوس کرتے۔

ایک دن اس دوکان کے سامنے سے ایک کمبل پوش فقیر سر منڈائے ہوئے گذرے تو یہ طوطا فوراً بلند آواز سے بولا اے گنجے تو کس سبب سے گنجا ہوا تو نے بھی بوتل سے تیل گرا دیا ہوگا۔

طوطے کے اس قیاس سے لوگوں کو ہنسی آگئی کہ اس نے کمبل پوش فقیر کو بھی اپنے اوپر قیاس کیا۔

اب مولانا اس واقعہ سے رجوع کرتے ہوئے نصیحت فرماتے ہیں کہ:

کار پاکان را قیاس خود مگیر　　　گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

یعنی اے عزیز! پاک لوگوں کے معاملہ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو اگرچہ لکھنے میں شیر (یعنی دودھ) اور شیر (جانور) ایک طرح سے ہی لکھا ہوتا ہے۔

شیر آن باشد کہ مردم میخورد　　　شیر آن باشد کہ مردم می خورد

یعنی لیکن شیر (دودھ) کو آدمی کھاتا ہے اور شیر (جانور) آدمی کو کھاتا ہے۔

جملہ عالم زین سبب گمراہ شد　　　کم کسی ز ابدال حق آگاہ شد

یعنی تمام جہان اس غلط قیاس کے سبب گمراہ ہوگیا اور شاذ و نادر ہی لوگ اولیاء اللہ اور ابدال حق سے آگاہ ہوئے۔

اشقیا را دیدۂ بینا نبود　　　نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

یعنی بدبخت لوگ حق بینی کی آنکھ سے محروم تھے نیک اور بد ان کی نظر میں یکساں نظر آئے۔

ہمسری با انبیاء برداشتند　　　اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

یعنی اپنے غلط قیاس سے کبھی انہوں نے انبیاء کے ساتھ برابری کا دعویٰ کیا اور کبھی اولیاء اللہ کو

اپنے برابر سمجھ لیا۔

گفت اینک ما بشر ایشان بشر　　ما و ایشان بستۂ خوابیم و خور

یعنی اگر کسی نے اعتراض کیا ان کی سوئے ادبی پر تو یہ کہا کہ ارے ہم بھی انسان یہ بھی انسان ہم اور یہ دونوں سونے اور کھانے کے پابند ہیں تو ہم میں اور ان میں کیا فرق ہوا۔

آگے مولانا نے بیان فرمایا کہ ظاہری صورت ایک ہونے سے حقیقت کی یکسانیت لازم نہیں ہوتی اور اس دعویٰ کو چند مثالوں سے سمجھاتے ہیں:

۱- بھڑ اور شہد کی مکھیوں نے پھولوں کا رس چوسا دونوں کی غذا میں اتحاد ہے لیکن بھڑ میں اس رس نے زہریلا اثر اس کے ڈنگ میں جمع کیا اور شہد کی مکھیوں میں پھولوں کے رس نے شہد بنایا۔

۲- دو قسم کے ہرنوں نے ایک ہی قسم کی گھاس کھائی ایک کے اندر اسی گھاس نے مینگنیاں بنائیں اور دوسرے ہرن کے اندر اس نے کستوری (مشک خالص)

۳- دو قسم کے نی کو ایک ہی گھاٹ سے پانی دیا گیا ایک کھوکھلا ہے اور ایک کے اندر اسی پانی نے شکر بنائی یعنی رس سے پر کیا جس کو گنا کہتے ہیں۔

۴- ایک فاسق انسان روٹی کھاتا ہے اس کے اندر یہ روٹی بخل و حسد اور شہوت پیدا کرتی ہے اور وہی روٹی ایک اللہ کا ولی کھاتا ہے تو وہ روٹی اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا عشق و معرفت پیدا کرتی ہے۔

۵- تلخ پانی اور میٹھے پانی کی صورت ایک ہے مگر حقیقت میں کتنا فرق ہے اسی طرح شقی اور سعید، نیک اور بد کی صورت میں اگر اتحاد ہے تو یہ کیسے لازم آ سکتا ہے کہ دنوں کی سیرت اور حقیقت بھی متحد ہے۔

۶- جو کچھ انسان کرتا ہے وہ بندر بھی کرتا ہے لیکن دونوں میں کتنا فرق ہے۔

۷- ایسے ہی حقیقت ناشناس لوگوں نے معجزہ کو جادو پر قیاس کیا حالانکہ معجزہ رحمت خداوندی ہے جو نبیوں کو دیا جاتا ہے اور جادو خدا کی لعنت ہے جو مردودوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

معجزہ حقیقت ہوتا ہے او جادو محض خلاف حقیقت ہوتا ہے جس میں صرف نظر بندی ہوتی ہے۔

۸- مومن اور منافق کے اعمال ظاہری صورت میں ایک جیسے ہیں لیکن حقیقت میں دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دونوں کا انجام کس قدر بعد اور تفاوت رکھتا ہے ایک کا مقام جنت ہے دوسرے کا مقام جہنم ہے۔

۹-خراب اور صحیح سونے کی شکل یکساں ہے لیکن کسوٹی پر دونوں کی قیمت میں کس قدر فرق ہوتا ہے۔

۱۰- دو چہرے ہیں ایک چہرہ سوئے دوست ہے اور ایک چہرہ خود اپنے ہی کو دیکھ رہا ہے دونوں میں کتنا فرق ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ والوں کو اپنے اوپر مت قیاس کرو ان کے باطن کو دیکھو کہ حق تعالیٰ کے قرب و تعلق کی دولت سے رشک سلاطین ہفت اقلیم ہیں اور ان سے استفادہ کرو اور ان کو اپنی طرح مت سمجھو۔

ظرف کی قیمت مظروف کی قیمت سے ہے انسان کا جسم جو ایک ظرف ہے اگر تعلق مع اللہ کی دولت سے مشرف ہے تو اس ظرف کو بہت قیمتی سمجھو۔ دو شیشیاں ہیں ہر شیشی کی قیمت دو آنے ہے لیکن ایک شیشی میں عطر ہے اس کی قیمت پانچ روپیہ ہے اور دوسری میں پانی ہے اس کی قیمت دو آنے ہیں اور اگر پیشاب ہے تو دو آنے بھی نہیں۔......پس اس شیشی کو دوسری شیشی پر قیاس کرنا کیسے صحیح ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نیک اور مقبول بندوں کی عظمت اور ان کے احترام و اکرام کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں احمقانہ قیاس سے محفوظ فرمادے۔ آمین۔ تاکہ ان کے ارشاد و مواعظ کی صحبتوں سے استفادہ کی ہمیں حرص و طلب پیدا ہو اور اپنی حماقت کے باطل خیالات مانع استفادہ نہ ہوں۔

حکایت کفران نمرود

حق تعالیٰ شانہ نے عزرائیل علیہ السلام (فرشتۂ موت) سے کہا کہ تم نے اب تک جتنے لوگوں کی روحیں قبض کی ہیں تم کو ان سب میں کس پر زیادہ رحم آیا؟

انہوں نے جواب دیا کہ سبھی پر میرا دل سوختہ ہوتا ہے غم سے مگر آپ کے حکم کی تعمیل پر سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

ارشاد ہوا کہ سب سے زیادہ کس پر دل رقیق اور غمگین ہوا؟

کہا اے ہمارے رب ایک واقعہ نے میرے دل کو سب سے زیادہ رقیق کیا تھا اور وہ یہ کہ ایک دن موج تیز پر ہم نے آپ کے حکم سے ایک کشتی توڑ دی یہاں تک کہ ریزہ ریزہ ہوگئی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ سب کی جان قبض کرے سوائے ایک عورت اور اس کے بچے کے۔ اس گروہ سے سب ہلاک ہوگئے بجز اس عورت اور اس کے بچے کہ دونوں ایک تختے پر رہ گئے۔ تختے کو وہ موجیں چلاتی تھیں جب کنارہ پر اس تختے کو ہوانے ڈالا۔ تو دونوں کی خلاصی سے میرا دل خوش ہوا پھر آپ نے

فرمایا کہ اب ماں کی جان قبض کرو اور بچے کو تنہا چھوڑ دو۔ آپ کے حکم سے جب میں نے ماں کی جان قبض کی اور بچے کو تنہا چھوڑا اور بچہ ماں سے جدا ہوگیا اس وقت آپ خود جانتے ہیں کہ کس قدر مجھ کو تلخ معلوم ہوا اور ہمارے دل پر کیا گذر گئی۔ مگر ہم آپ کے حکم کی تعمیل میں مجبور تھے۔ آپ کے قضا و فیصلے سے کون سرتابی اور روگشی کی ہمت کس میں ہے۔

نیست کس را زہرۂ چون و چرا ہست سلطانی مسلم مر او را

یعنی کسی کو آپ کے حکم کے سامنے چون و چرا کی ہمت نہیں ہے۔ آپ ہی کے لئے حقیقی سلطانی مخصوص اور مسلم ہے

اے رب میں نے ماں کی روح قبض کرتے ہوئے اپنے دل میں صدمہ عظیم دیکھا اور اس بچے کی یاد اور اس کی بے کسی اب تک میرے تصور و خیال سے نہ گئی۔

حق تعالیٰ نے فرمایا اب تم اس بچے کا ماجرا سنو کہ میں نے کس طرح اس کی پرورش کی اس طفل کے لئے میں نے موجوں کو حکم دیا کہ اس کو ایک جنگل میں ڈالدو اور ایسے جنگل میں جہاں سوسن اور ریحان اور خوشبودار پھول ہوں اور میوہ دار درخت ہوں اور اس میں آب شیریں کے چشمے ہوں۔ میں نے اس بچے کو سوناز سے پالا۔ لاکھوں مرغ مطرب خوش صدا نے اس باغ میں سو آوازیں ڈال رکھی تھیں اور میں نے برگ نسرین سے اس کا بستر بنایا تاکہ فتن اور آفات سے وہ بچہ مامون رہے، میں نے خورشید کو حکم دیا کہ اس کی طرف شعائیں تیز نہ کر اور اپنی رفتار میں اس کا خیال رکھ، ہوا کو حکم دیا کہ اس پر آہستہ چل، ابر کو حکم دیا کہ اس پر بارش مت برسا، برق کو حکم دیا کہ اس پر تیزی سے میل مت کر، موسم خزاں کو حکم دیا کہ اس چمن سے اعتدال کو سلب مت کر۔ حاصل یہ کہ وہ باغ مثل روح عارفین کے صرصر اور مسموم سے محفوظ رہا۔ ایک چیتے نے نیا بچہ جنا تھا۔ میں نے اس کو حکم دیا کہ اس طفل کو دودھ پلایا کر یہاں تک کہ وہ بچہ فربہ شیر مرد ہوگیا۔ جب اس کے دودھ چھڑانے کا وقت آیا تو میں نے جنات کو حکم دیا کہ اس کو بولنا اور حکومت کرنا سکھاؤ اس کی میں نے اس طرح پرورش کی جو تمام خلائق کے لئے عجیب اور حیرت خیز ہے اور میرے تصرفات اسی طرح عجیب وغریب ہوتے ہیں۔

میں نے حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن میں کیڑوں کی پرورش کرائی اور ان کو کیڑوں پر باپ جیسی شفقت عطا کی یہاں تک کہ اگر کوئی کیڑا جسم سے نکل کر دور ہوتا تو انھیں ایسا محسوس ہوتا کہ میری اولاد مجھ سے جدا ہوگئی۔

دادہ من ایوب را مہر پدر   بہر مہمانیٔ کرمانِ بی ضرر

یعنی میں نے ایوب علیہ السلام کو باپ کی طرح مہربانی دی تھی کہ کیڑوں کی مہمانی کریں اور انہیں ضرر نہ پہنچائیں۔

مادران را مہر من آموختم   چون بود شمعی کہ من افروختم

یعنی ماؤں کو محبت میں نے ہی سکھائی ہے وہ کیسی شمع ہوگی جس کو میں نے روشن کیا ہو۔

غرض اس بچے پر میں نے صدہا عنایات اور صدہا علاقے کرم کے کئے تا کہ وہ میرا لطف و کرم بے واسطۂ اسباب دیکھ لے اور اسباب سے کشمکش میں مبتلا نہ ہو کیونکہ اسباب سے مسبب کبھی متخلف بھی ہو جاتا ہے نیز اس بچے کی ہر استعانت مجھ سے ہی ہو کیونکہ اسباب کے حجابات اس کے سامنے نہ تھے۔ یعنی بدون اسباب پرورش کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ کسی اور پر نظر نہ کرے۔ تا کہ خود ہماری طرف اس کو عذر نہ رہے گمراہ ہونے میں کہ میں اسباب پر نظر کرنے کے لئے آپ کے انعامات و آیات کی طرف متوجہ نہ ہوسکا اور ہر یار بد سے اس کو شکوہ نہ ہو کہ فلاں نے مجھ کو گمراہ کر دیا۔ سواب افاضۂ نعم۔

مگر اے عزرائیل! اس بچے نے میرا کیا شکر ادا کیا؟ یہی بچہ نمرود ہوگیا اور میرے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو جلانے والا (سوزندۂ خلیل) نکلا۔ یعنی اس کا ارادہ یہی تھا مگر حق تعالیٰ نے اپنے خلیل پر آتش نمرود کو گلزار امن بنا دیا۔

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ یہ نفس نہایت ہی خطرناک دشمن ہے اس سے پناہ مانگتے رہو۔ دوسروں کے لئے تو ماں باپ کی پرورش حجاب بن جاتی ہے مگر اس نالائق نے بلاواسطہ اپنی جیب میں بہت سے موتی ہم سے پائے تھے۔

گرگ درندہ است نفس بد یقین   چہ بہانہ می نہی بر ہر قرین

یعنی نفس بد یقیناً گرگ درندہ ہے اے مخاطب تو ہر قرین اور ساتھی پر کیا اپنی گمراہی کا الزام اور بہانہ رکھتا ہے۔

زین سبب می گویم اے بندہ فقیر   سلسلہ از گردن سگ وا مگیر

یعنی میں اسی سبب سے کہتا ہوں کہ اے بندہ فقیر زنجیر کتے کی گردن سے مت بحال کرو یعنی نفس کو قید و بند میں رکھو اور اگر تم مغلوب ہو رہے ہو تو جلد کسی اللہ والے سے تعلق کرو تا کہ اس کی آہ سحرگاہی اور دعاؤں اور صحبتوں کی برکت سے تم بھی غالب ہو جاؤ۔

یار غالب جو کہ تا غالب شوی　　　یار مغلوبان مشو ہین ای غوی

مگر ایسا مرشد اور راہبر ڈھونڈو جو غالب علی الاحوال ہو یعنی مغلوب الحال نہ ہو تاکہ تم اس غالب کی صحبت سے غالب ہوجاؤ اور اگر مغلوبین کی صحبت میں رہوگے جیسا کہ اہل دنیا اور تمام ناقصین فی السلوک ہیں تو ہمیشہ مغلوب ہی رہوگے۔ صحبت جیسی ہوگی اسی طرح کا اثر رونما ہوگا گویا صحبت ایک بیج ہے پس جس چیز کی تخم ریزی کروگے اسی چیز کا درخت اُگے گا۔

حکمت حضرت لقمان علیہ السلام

حضرت لقمان علیہ السلام کو جب ان کے آقا نے خریدا تو اور غلاموں نے ان کو حقیر سمجھا ایک دن اس مالک نے اپنے سب غلاموں کو باغ بھیجا کہ باغ کے پھلوں کو توڑ لائیں۔ تمام غلاموں نے باغ میں پھل توڑ کر خوب شکم سیر ہوکر کھایا اور مالک سے کہا کہ باغ کے پھلوں کو لقمان نے کھایا ہے۔ مالک لقمان علیہ السلام پر بہت ناراض ہوا۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے مالک سے کہا کہ آپ اس الزام کی تحقیق کرلیں میں نے نہیں کھایا۔ میں آپ کو ایک تدبیر بتاتا ہوں اس کے ذریعہ یہ حقیقت آپ پر منکشف ہوجائے گی کہ میوہ کس نے کھایا ہے۔

آقا نے کہا وہ کیا تدبیر ہے؟

فرمایا آپ شکار کی تیاری کریں اصطبل سے گھوڑا منگایا گیا آقا گھوڑے پر بیٹھا اور حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ شکار کے لئے صحرا کی طرف تیز چلیں اور چلنے سے قبل سب کو گرم پانی پلادیں اور سب کو شکم سیر پانی پلایا جائے تھوڑی ہی دیر میں معلوم ہوگا کہ مجرم کون ہے۔

الغرض جب غلاموں کو دوڑنا پڑا تو جن لوگوں نے میوہ کھایا تھا سب کو تیز حرکت کرنے سے قے ہوگئی کیونکہ گرم پانی پی کر دوڑنے سے معدہ اور گرم ہوگیا اور راستہ بھی صحرا کا ناہموار نشیب وفراز والا تھا جس سے قے ہونا لابدی تھا پس قے میں میوہ صاف ظاہر ہوگیا کیونکہ تازہ تازہ کھایا تھا یعنی اتنا عرصہ نہ گذرا تھا کہ وہ معدہ میں ہضم ہوکر آنتوں میں اتر جاتا اور حضرت لقمان علیہ السلام کو قے نہ ہوئی کیونکہ ان کے پیٹ میں میوہ نہ تھا۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی اس حکمت سے سب غلاموں کو شرمندگی اور ندامت ہوئی اور ان کی حکمت سے آقا بہت خوش ہوا اور یہ آقا کے مقرب ہوگئے۔

حکمت لقمان چو داند آن نمود   پس چہ باشد حکمت رب ودود

مولانا فرماتے ہیں کہ جب لقمان علیہ السلام کی حکمت کا یہ حال ہے تو مالک حقیقی رب ودود کی حکمت کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔

قصۂ مقبولیت آہ

ایک بزرگ جو نماز ہمیشہ باجماعت پڑھا کرتے تھے ایک دن کسی نماز کے لئے مسجد کے دروازہ تک پہنچے ہی تھے کہ امام مسجد سے بآواز بلند السلام علیکم و رحمۃ اللہ کی آواز سنی جماعت کی نماز ختم ہوجانے سے ان بزرگ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ اس صدمہ سے آہ نکل گئی اور اس آہ سے ان کی دل کے خون کی بو آرہی تھی۔

گفت آہ و درد ازان آمد برون   آہ او می داد از دل بوی خون

یعنی ان بزرگ سے جماعت فوت ہونے کے غم سے آہ نکلی اور آہ بھی نہایت درد سے پر تھی کیونکہ اس صدمہ سے ان کا دل خون ہوگیا تھا اور ان کی آہ سے ان کے دل کے خون کی بو آرہی تھی۔ مسجد میں ایک اہل دل بزرگ نے دیکھا کہ ایک روشنی مسجد کے باہر سے آئی اور عرش تک چلی گئی یہ اٹھ کر باہر آئے تو دریافت کیا کہ یہ کس کا نور تھا معلوم ہوا کہ کوئی صاحب ہیں جن کی جماعت فوت ہوجانے سے آہ نکل گئی۔ یہ سمجھ گئے کہ بس اسی آہ کا یہ نور تھا ان بزرگ نے عرض کیا کہ حضرت آپ مجھے اپنی یہ آہ دیدیجئے اور میری نماز باجماعت اس کے بدلہ میں لے لیجئے۔ انہوں نے اپنی آہ کا نور اور اس کا مقام نہ سمجھا اور نماز باجماعت سے تبادلہ کرلیا۔ رات کو ان بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ ایک ہاتف غیبی کہہ رہا ہے کہ اے شخص تونے آب حیواں اور آب شفا خریدا ہے اور تونے اس آہ کا بہت اچھا تبادلہ کیا کیونکہ یہ آہ اس بندے کی نہایت پرخلوص تھی۔

شب بخواب اندر بگفتش ہاتفی   کہ خریدی آب حیوان وشفی

اور اللہ تعالیٰ نے اس آہ کی مقبولیت اور تیرے اس تبالدہ اور اختیار کی برکت سے اس وقت کی تمام روئے زمین کے مسلمانوں کی نماز قبول فرمالی۔

حرمت این اختیار و این دخول   شد نماز جملۂ خلقان قبول

اے مخاطب تیرے اس اختیار اور اس معاملہ سے تمام مخلوق کی نماز قبلفو ہوگئی۔

پس اس واقعہ سے حسب ذیل نصائح ملتے ہیں:

۱- کسی کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے کہ بعض وقت تلافی اور توبہ اس صدق دل اور اخلاص اور خون جگر سے ہوتی ہے کہ وہ تمام اعمال سے بالا اور برتر ہو جاتی ہے اور آدمی کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔

مرکب توبہ عجائب مرکب است　　　تا فلک تازد بہ یک لحظہ ز پست

یعنی مولانا فرماتے ہیں کہ توبہ کی سواری عجیب سواری ہے کہ پستی اور ذلت سے عزت اور مقبولیت کی بلندی پر فی الفور پہنچا دیتی ہے۔

۲- اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملا ہے کہ جب اعمال میں کوتاہی ہو حزن اور صدمہ اور خون جگر والی مناجات اور گریہ وزاری سے استغفار اور توبہ کرنی چاہئے۔ کہ ایک آہ میں یہ سب کچھ شامل ہے۔

میرا پیام کہہ دیا جا کے مکاں سے لامکاں　　　اے میری آہ بے نوا تو نے کمال کر دیا

۳- اس واقعہ سے جماعت کے ساتھ نماز کی فکر واہتمام کا سبق بھی ملتا ہے۔

قصہ اختلاف در تحقیق فیل

ایک ملک میں ہاتھی کو کسی نے کبھی نہ دیکھا تھا وہاں ہاتھی ہندوستان سے درآمد کیا گیا۔ اور اس کو کسی تاریک گھر میں رکھا گیا، جہاں آنکھوں سے نظر نہ آتا تھا۔ تاریک گھر اور ہاتھی بھی سیاہ فام اور دیکھنے والوں کا ہجوم تھا ہر شخص کو جب آنکھوں سے کچھ نہ دکھائی دیتا تو ہاتھ سے ٹٹول کر قیاس کرتا۔ جس شخص کے ہاتھ میں جو حصہ ہوتا وہ عقل اسی پر دلیل اور قیاس کرتا۔ چنانچہ جس شخص کے ہاتھ میں اس کا کان تھا اس نے کہا یہ تو ایک بڑا سا پنکھا معلوم ہوتا ہے اور جس شخص کا ہاتھ اس کی پشت پر تھا اس نے کہا یہ تو مثل تخت ہے اور جس شخص کا ہاتھ اس کے پاؤں پر تھا اس نے ٹٹول کر کہا نہیں آپ لوگ غلط کہتے ہیں یہ تو مثل ستون ہے جس شخص کا ہاتھ اس کی سونڈ پر پڑا اس نے کہا یہ میری تحقیق میں مثل ناودان ہے۔

حاصل قصہ یہ کہ جملہ اہل عقل اختلاف کثیر میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں اگر ان ہاتھوں میں کوئی شمع ہوتی تو اس روشنی میں یہ سب اختلاف سے محفوظ رہتے۔

در کف ہر کس اگر شمعی بدی　　　اختلاف از گفت شان بیرون شدی

یعنی اگر ہر شخص کے ہاتھ پر کوئی روشنی ہوتی تو اختلاف سے یہ سب نجات پا جاتے۔

غور طلب ہے کہ آج تمام کائنات میں حق تعالیٰ کی ذات پاک رسالت اور مقصد حیات انسانی اور حشر ونشر میں اختلاف ہے اس تاریک دنیا میں جو لوگ وحی الٰہی کے نور سے مستغنی ہو کر دنیا اور

آخرت کی سنگین اور رنگین رابطوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور خالق اور مخلوق کے تعلقات کے حقوق اور حدود کی تعیین صرف اپنی عقل سے کرنا چاہتے ہیں یا غیر صاحب وحی کی عقل سے استمداد کرتے ہیں تو ان سب کی مثال اسی طرح ہے جیسا کہ قصۂ مذکور میں ہے کہ حقیقت تک رسائی کسی کی نہ ہوسکی۔

ایک نابینا خواہ خود راستہ طے کرے یا کسی دوسرے نابینا کی لاٹھی پکڑ کر چلے تو دونوں صورتوں میں ہلاکت اور منزل سے محرومی ہوگی۔ یہ راہرو اور راہبر بوجہ نابینا ہونے کے اگرچہ کتنی ہی اکثریت میں ہوں لیکن ان کا مجموعہ نابینا ہی ہوگا۔ بینا نہ ہوگا۔ پس حقائق اشیاء کی صحیح تحقیق کے لئے محض عقل کافی نہیں روشنی بھی درکار ہے۔ کیونکہ قصۂ مذکور میں سب عاقل ہی تھے صرف روشنی نہ تھی۔

پس مسلمانوں کو چاہئے کہ تحقیق امور آخرت اور مقصد حیات انسانیت کی تعیین میں اہل سائنس اور اہل فلاسفہ کی تقلید ہرگز نہ کریں کیونکہ ان کے پاس روشنی نہیں ورنہ اپنی طرح تمہیں بھی صرف پائخانہ بنانے کی مشین بنادیں گے یعنی تمہیں بھی یہی سبق دیں گے کہ مقصد زندگی صرف کھاؤ پیو اور ہگو کے سوا کچھ نہیں۔

روشنی صرف وحی الٰہی کی مستند ہے جو صرف سیدنا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ و الہ وسلم کی اتباع سے مل سکتی ہے۔ روشنی اصلی وہی پرانی روشنی ہے جو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے غار حرا سے نکلی تھی اور اس نئی روشنی سے تو خدا بچائے۔

قصۂ مگس و تخیل خام

ایک مکھی کی خام خیالی

ایک جگہ ایک گدھے نے پیشاب کیا اس کی مقدار اس قدر تھی کہ گھاس کے تنکے اس کے بہاؤ کی زد میں بہنے لگے ایک مکھی ایک تنکے پر بیٹھ گئی اور گدھے کے بہتے ہوئے پیشاب پر اس نے محسوس کیا کہ میں دریا میں سفر کر رہی ہوں اور یہ بہتا ہوا تنکا ایک عجیب کشتی ہے دوسری مکھیوں کے مقابلہ میں اسے اپنی برتری کا احساس ہوا۔ اور یہ لطف اس نے کبھی نہ پایا تھا پس اس کے خیال میں یہ بات آئی کہ میں دوسری مکھیوں پر اپنی فوقیت اور بلندی کا اعلان کردوں، چنانچہ اس نے ایسا ہی کہا۔

یک مگس بر برگ کاہ و بول خر   ہمچون کشتیبان ہمی افراخت سر

ایک مکھی گھاس کے تنکے اور گدھے کے پیشاب پر مثل کشتی چلانے والے کے اپنا سر ہلا رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ:

گفت من دریا و کشتی خوانده ام　　مدتی در فکر آن می مانده ام

مکھی نے کہا میں نے دریا اور کشتی رانی کا فن پڑھا ہے اور اس فکر میں ایک مدت صرف کی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ مکھی جس حماقت میں گرفتار تھی اسی طرح ہمارے عقلائے زمانہ نے اپنے اوہام اور افکار باطلہ کا نام تحقیق رکھا ہوا ہے اور وحی الٰہی کے آفتاب سے استفادہ کرنے میں اپنی توہین سمجھ کر مثل خفاش روکشی از آفتاب کرتے ہیں اور خیالات فاسدہ کی تاریکیوں میں الٹے لٹکنے کو کمال انسانیت سمجھتے ہیں۔ مولانا ایسے ہی حمقائے زمانہ کو نصیحت فرماتے ہیں:

صاحب تاویل باطل چون مگس　　وہم او بول خرد تصویر خس

پس جو لوگ تاویل باطل میں مبتلا ہو کر نور وحی الٰہی سے روگردانی کر رہے ہیں تو ان کی مثال اسی مکھی کی سی ہے ایسا شخص اپنے وہم و خیال فاسد کو اپنی نجات و کامرانی کا سبب قرار دیتا ہے اور وحی الٰہی کو بھی اپنی رائے کے تابع کرنا چاہتا ہے اور ہر جگہ میں یہ کہتا ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں۔ میری رائے میں یہ ہے بکتا رہتا ہے۔ پس اس کی مثال بالکل وہی ہے جو اس قصہ میں مذکورہ ہے کہ اس کے ان اوہام و فاسد خیالات کی مثل گدھے کا پیشاب اور گھاس کے تنکے کی تصویر ہے جس پر خیالات کی کشتی رانی کا اسکو فخر ہے۔ آگے مولانا ایسے شخص کی اصلاح کا طریقہ بیان فرماتے ہیں:

گر مگس تاویل بگذارد زرای　　آن مگس را بخت گرداند همای

اگر مکھی تاویل کو اپنی رائے میں دخل نہ دے اور تاویل پرستی سے توبہ کرلے تو تقدیر اس مگس (مکھی) کو ہما بنادے۔ یعنی یہ بابرکت شخصیت بن جائے اور پاخانہ پر بیٹھنے اور غلاظت پسندی کی خو سے نجات پا کر صف ابرار و پاکاں میں داخل ہوجائے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مولانا کا اشارہ ان آیات کی طرف ہے۔

۱۔ "ان الظن لایغنی من الحق شیئا" (سورۂ نجم، پارہ ۲۷)

۲۔ "و اتبع سبیل من اناب الیّ" (سورۂ لقمان، پارہ ۲۱)

یعنی تحقیق کہ گمان حق کے مقابلہ میں کچھ مفید نہیں۔ نکرہ تحت نفی واقع ہے جو عموم نفی کا فائدہ دیتا ہے۔

جو لوگ ہماری طرف کامل طور پر متوجہ ہیں ان کی تابعداری کرو یعنی ان کی اتباع ہی کی برکت سے تمہیں بھی دولت انابت عطا ہوگی۔

حکایت اخلاص حضرت علی علیہ السلام

حضرت علی علیہ السلام کے اخلاص کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار آپ نے ایک کافر کو مقابلہ کے وقت زیر کیا اور اس کے سینہ پر بیٹھ گئے اور اس کافر کو قتل کرنے کے لئے اپنی تلوار نکالی کہ ناگاہ اس نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا اس کی اس گستاخی کے سبب آپ کے نفس کو ناگواری ہوئی اور آپ نے تلوار کو میان میں کیا اور اس کے سینہ سے علیحدہ ہوگئے اور اس کے قتل سے ہاتھ روک لیا۔

اس کافر نے کہا اے امیر المؤمنین یہ کیا بات ہے میری تھوکنے والی گستاخی کے بعد تو آپ کو فوراً مجھے قتل کرنا چاہئے تھا اور آپ مجھ پر ہر طرح غالب تھے وہ کونسی بات تھی جو میرے قتل سے مانع ہوئی۔

حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھ کو اے کافر! صرف خدا کی رضا و خوشنودی کے لئے قتل کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ تو نے میرے چہرہ پر تھوک کر میرے نفس کو غضبناک کر دیا اب اگر میں تجھے قتل کرتا تو یہ فعل میرے نفس کے غضب اور غصہ سے ہوتا اور اخلاص سے نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ اخلاص کے بغیر کسی عمل کو قبول نہیں فرماتا۔ پس تیرا قتل کرنا مجھے منافی اخلاص معلوم ہوا اس لئے میں اس فعل سے باز رہا۔

حضرت علیؑ کی اس بات کو سن کر وہ کافر محو حیرت ہوگیا اور اس کے دل میں ایمان کی شمع روشن ہوگئی اور اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین میں ایسے دین کو قبول کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں جس میں اخلاص کی ایسی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور بے شک یہ دین سچا ہے اب مولانا کی زبان سے سنئے فرماتے ہیں:

از علی آموز اخلاص عمل — شیر حق را دان مطہر از دغل

اے مخاطب! اخلاص عمل کا سبق حضرت علیؑ سے سیکھ اور شیر حق کو دغل یعنی مکر وحیلہ سے پاک سمجھ۔

در غزا بر پہلوانی دست یافت — زود شمشیری بر آورد و شتافت

حالت جہاد میں ایک پہلوان کافر پر غالب ہوئے اور شمشیر کو جلد میان سے نکالا۔

او خدو انداخت بر روئے علیؑ — افتخار ہر نبی و ہر ولی

اس دشمن نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوکا حالانکہ آپ حق تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جملہ اولیاء کے محبوب ہیں اور جب سید الانبیاء کے محبوب ہیں تو ہر نبی کے محبوب ٹھہرے۔

در میان انداخت شمشیر آن علیؑ — کرد او اندر غزاش کاہلی

حضرت علیؓ نے شمشیر میان میں کی اور اس کے قتل سے کاہلی کی یعنی رک گئے

گشت حیران آن مبارز زین عمل　　　و ز نمودن عفو و رحم بی محل

وہ کافر حیران ہوگیا اس عمل سے اور ایسے دشمن کے عفو و رحم سے۔

گفت بر من تیغ تیز افراشتی　　　از چہ افگندی مرا بگذاشتی

کافر نے کہا مجھ پر تلوار اس قدر تیزی سے نکالی لیکن پھر کیوں تلوار کو میان میں ڈالدیا اور مجھ کو چھوڑ دیا۔

در محل قہر این رحمت ز چیست　　　اژدہا را دست دادن راہ کیست

محل غصہ و غضب میں یہ رحمت کیسی ہے اژدہا کو موقع پا کر پھر چھوڑ دینا یہ کون سا راستہ ہے۔

گفت من تیغ از پی حق میزنم　　　بندۂ حقم نہ مامور تنم

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں خدا کے لئے تلوار چلاتا ہوں میں خدا کا بندہ ہوں نفس کا بندہ نہیں ہوں۔

شیر حقم نیستم شیر ہوا　　　فعل من بر دین من باشد گوا

میں خدا کا شیر ہوں نفسانی خواہش کا شیر نہیں ہوں میرا یہ فعل میرے دین کی صداقت پر گواہ ہے۔

چون خدو انداختی بر روی من　　　نفس جنبید و تبہ شد خوی من

جب تو نے میرے چہرے پر تھوک ڈالا اس وقت میرے نفس میں ہیجان اور جذبۂ انتقام ابھرا اور میری خو تباہ ہوگئی۔

نیم بہر حق شد و نیمی ہوا　　　شرکت اندر کار حق نبود روا

ایسی حالت میں آدھا عمل تو خدا کے لئے ہوتا اور آدھا نفس کے غضب و انتقام کی وجہ سے ہوتا اور خدا کے لئے جو کام ہو اس میں شرکت جائز نہیں وہ صرف خدا ہی کے لئے ہونا چاہئے۔

گفت من تخم جفا می کاشتم　　　من ترا نوع دگر پنداشتم

کافر نے کہا میں تو ظلم کی تخم ریزی کرتا ہوں مگر آپ کو نوع انسانیت کی عظیم نوع سمجھتا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ یہ کافر مشرف باسلام ہوا جس کو مولانا اس انداز سے فرماتے ہیں:

تیغ حلم او ز آہن تیز تر　　　بل صد لشکر ظفر انگیز تر

یعنی حلم کی تلوار لوہے کی تلوار سے زیادہ تیز ہے اثر میں بلکہ فتح حاصل کرنے میں حلم زیادہ مؤثر ہے سینکڑوں لشکر سے۔